سچے لوگوں کا ساتھ دو!

ڈاکٹر اُمِ کلثوم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ o (التوبۃ ۹:۱۱۹)

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔

ایمان کیا ھے؟

مان لینا، یقین کرنا، حقیقت کا ادراک کرلینا، ایمان ہے۔ قرآن 'اہلِ ایمان' کن لوگوں کو کہتا ہے؟ 'اہلِ ایمان' وہ ہیں جو اللہ کی ذات وصفات کا اس درجہ ادراک حاصل کرلیں کہ پھر کوئی اور ان کی نظروں میں جچے ہی نہیں، وہ شدت سے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (البقرہ ۲:۱۶۵) ''اور ایمان رکھنے والے لوگ تو سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں''۔ خطاب ان لوگوں سے ہے جن کا محبوب اللہ ہے۔ 'محبوب' کا حکم ہے کہ اس سے محبت کرنے والے لوگ، اللہ (محبوب) ہی کا تقویٰ اختیار کریں۔

تقوٰی کیا ھے؟

تقویٰ کا مادہ تَقِی یا وَقِی ہے۔ اس کے معنی ہیں بچنا، خود کو کسی خطرے سے بچانا۔ قرآن متقی اس کو کہتا ہے جو اللہ سے شدید محبت کی وجہ سے خود کو اس کی ناراضی سے بچاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب ایمان اور عملِ صالح (محبوب کو راضی کرنے والے کام) جمع ہوتے ہیں، تو تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہمیشہ محتاط رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہونے پائے جو محبوب کی نظرِ التفات سے محرومی کا سبب بن جائے۔

'تقویٰ' کے اس مقام کی حفاظت کے لیے محبوب کی جانب سے دوسری اہم ہدایت ہے کہ

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ''اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''۔ یہاں امر کا صیغہ ہے۔ كُونُوا ''ہوجاؤ، ہمیشہ رہو''۔ مَعَ ''ہمراہ، ساتھ، معیت میں''۔

اس ہدایت میں ایک تنبیہہ ہے: ''اکیلے نہ رہنا، اکیلے رہنا خطرے سے خالی نہیں''۔ ہر ذی روح اسی کی ہمراہی پسند کرتا ہے جو زیادہ سے زیادہ اس سے مماثلت رکھتا ہے، جن کی محبت، نفرت، منزلِ مقصود یکساں ہو۔ لہٰذا تم الصّٰدِقِيْنَ کی ہمراہی اختیار کرنا۔ تمھارا باطن بھی ان کے ہمراہ ہوجائے اور ظاہر بھی ان کی مانند ہو۔ تمھاری نیت، ارادہ، تمھاری شکل وصورت، اعمال وافعال سب صادقین کی طرح ہوں۔ یہاں تاکید کے لیے 'ال' لگایا گیا ہے، یعنی خاص طور پر، انتہائی، بہت زیادہ صادق۔

صدق کیا ہے؟

بہت سچا، جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، بلکہ سچ کا اس قدر خُوگر کہ اس سے جھوٹ بن ہی نہ پاتا ہو۔ قول و اعتقاد میں سچا! اپنی سچائی کی تصدیق اپنے عمل سے بھی کر دکھائے۔ اس کا ہر کام ظاہر و باطن کے اعتبار سے فضیلت کے ساتھ متصف ہو۔ یہ تمام انبیا علیہم السلام کی صفت ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (المائدہ ۵:۷۵)، یعنی وہ ایک راست باز عورت تھی۔ یہ جنت کی سردار خاتون کی صفت ہے۔

صدیقین: فضیلت میں انبیاے علیہم السلام سے کچھ کم درجے کے ہوتے ہیں۔ ان کے جانشین ہیں، ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ غور وفکر کرنے والے، سنجیدہ اور سلیم الفطرت لوگ ہیں۔ شهید: فعال، بھاگ دوڑ کرنے والے، خوش گفتار، عملی جدوجہد میں پیش پیش، بے خطر معرکوں میں کود جانے والے۔ یہ دونوں قسم کی صفات توازن کے ساتھ صرف انبیاے علیہم السلام میں جمع ہوتی ہیں۔ ہمارے سامنے کامل مثال ایک ہی ہے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نیتوں کا اخلاص اور عمل کی پاکیزگی، صدیق اور شہید دونوں کو 'مقربین' میں شامل کروا لیتے ہیں۔

صدیقین کے ایمان کی کیفیت

صدیقین انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں، والہانہ پیش قدمی کرتے ہیں،

ذرا بھی توقف نہیں کرتے۔ انھیں اس بارے میں ذرا شک و شبہہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ کوئی اعتراض کرتے ہیں، نہ جرح۔ دعوتِ حق کو قبول کرنے میں کسی تذبذب، تامّل یا تردّد میں مبتلا نہیں ہوتے۔ حق کی دعوت انھیں اپنی فطرت کی پکار معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ایمان میں ایک والہانہ پن ہوتا ہے۔ فلسفۂ دین اور حکمتِ قرآن کے لحاظ سے یہ ایک اہم بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں نے جس کے سامنے بھی دعوت پیش کی، اس نے تھوڑی دیر کے لیے کچھ نہ کچھ توقف ضرور کیا سوائے ابوبکرؓ کے، انھوں نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر میری تصدیق کر دی''۔

ایمان کا ایسا ہی مظاہرہ واقعۂ معراج کے بعد ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے واقعۂ معراج سنتے ہی تصدیق کی، جس پر بارگاہِ رسالت سے انھیں 'صدیق' کا خطاب ملا۔ پوری اُمت کا اجماع ہے کہ وہ صدیقِ اکبر ہیں۔ یہ جذبۂ صدق و وفا اس درجے کا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ایسی بات کا ذکر فرماتے جس پر لوگ تعجب کا اظہار کرتے تو آپؐ فرماتے: ''(تم تعجب کرتے ہو تو کرو) مَیں اس پر ایمان لایا۔ اور ابوبکر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہما) بھی ایمان لائے''۔(بخاری)

زندگی کے ہر لمحے میں صدیق کی فطرتِ صالحہ کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ وہ اپنے جان و مال سے حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہر مشکل اور کٹھن مرحلہ ان کے ایمان و عمل کو فزوں تر کرتا ہے۔ وہ تسلیم و رضا کے پیکر ہوتے ہیں۔ اپنے رب کے ہر فیصلے پر راضی، حتیٰ کہ ان کا ربّ ان کے بارے میں گواہی دیتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب ۳۳:۲۳) ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ (کسی قسم کے حالات میں) انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

صدیقین کے برعکس رویہ منافقین کا ہے۔ منافقین کم ہمت، بزدل اور مفاد پرست ہوتے ہیں، خودغرض اور خواہشات کے اسیر۔ ہر معاملے کو خواہش اور مفاد پر تولتے ہیں، جہاں سے مفاد حاصل ہوتا نظر آئے، اس کے ہمراہ چل پڑتے ہیں، ورنہ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بخاری میں سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۹ کی تشریح میں، حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صدق (سچائی) آدمی کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی بہشت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور آدمی سچ بولتا ہے، حتیٰ کہ صدیق کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور کذب (جھوٹ) فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور (نافرمانی) آگ کی طرف۔ اور آدمی جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (بخاری)

صدیق کی زندگی کا سفر

صدیق کی زندگی میں، حرا سے بدر تک کے مراحل ہیں۔ اس میں ہجرت ہے، اُحد اور خندق کے معرکے ہیں، جان و مال کی قربانی ہے۔ قدم قدم پر قیامت ہے اور پھر فتح و کامرانی ہے۔ زندگی کا یہ سفر اکیلے طے کرنا بڑا مشکل ہے۔ کٹھن کام، ہم مزاج ساتھیوں کے ہمراہ آسان اور خوش گوار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ: صدیق و صادق بننا چاہتے ہو تو پھر صادقین کی ہمراہی اختیار کرو۔ سورۂ کہف میں اس امر کی یاددہانی ان الفاظ میں کروائی گئی:

> وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ (الکہف ۱۸:۲۸) اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو، جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر، صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔

انبیاے علیہم السلام کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اہلِ ایمان (اللہ سے شدید محبت کرنے والے لوگوں) کے ہمراہ رہیں۔ انبیاے علیہم السلام کو کہا گیا کہ وہ اعلان کردیں: وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس ۱۰:۱۰۴) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں''۔ اور یہ کہ: وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النمل ۲۷:۹۱) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں''۔

حضرت یوسف علیہ السلام حکومت میں ایک موثر اور اعلیٰ مقام ملنے کے بعد بھی، ایک ہی دعا مانگتے ہیں: تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (یوسف ۱۲:۱۰۱) ''میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجامِ کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا''۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تمام تر شاہانہ عظمت و جبروت کے

اپنے رب کی نعمتوں پر اظہارِ تشکر کرتے ہوئے دعا گو ہیں: وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ o (النمل ۲۷:۱۹) ''اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلاح وکامیابی کی خوش خبری کے باوجود ملتجی ہیں: رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ o (الشعراء ۲۶:۸۳) ''اے میرے رب! مجھے حکم عطا کر اور مجھے صالحوں کے ساتھ ملا''۔

دانش مندی یہ ہے کہ سچے اور صالح افراد کی ہمراہی نصیب ہوجائے۔ نجات اسی کے لیے ہے جو اہلِ حق کے ساتھ رہا۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (الاعراف ۷:۷۲) ''آخرکار ہم نے اپنی مہربانی سے اسے (ہودؑ) اور اس کے ساتھیوں کو نجات (عذاب سے) دے دی''۔ یہی معاملہ اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ہوا: فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ (یونس ۱۰:۷۳) ''پس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا اور انھی کو زمین میں جانشین بنایا''۔ حق اور اہلِ حق کا ساتھ نہ دینے والا غرق ہوکر رہتا ہے، اگرچہ وہ اہلِ حق کے سرکردہ افراد میں سے کسی کا قریب ترین عزیز ہی ہو۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ o (الاعراف ۷:۸۳) ''آخرکار ہم نے اسے (لوطؑ) اور اس کے ساتھیوں کو بچالیا سوائے اس کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی''۔

معاشرے کے کمزور اور کم حیثیت افراد بھی حق کا ساتھ دینے کے سبب معزز ہوجاتے ہیں۔ قوم کے اکابرین انھیں اراذل خیال کرتے ہیں۔ لیکن اکابرین کی حمایت حاصل ہونے کی اُمید پر بھی انبیاے علیہم السلام حق کا ساتھ دینے والے کمزور افراد کو خود سے دُور نہیں کرتے اور صاف صاف کہتے ہیں: ''اور میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لے آئے'' (ھود ۱۱:۲۹)، بلکہ وہ اپنے اللہ کے خوف سے لرزتے ہوئے کہتے ہیں: وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ (ھود ۱۱:۳۰) ''اور اے قوم! اگر میں دھتکار دوں تو مجھے اللہ (کے عذاب) سے کون بچائے گا''۔ وَلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ۗ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ o (ھود ۱۱:۳۱) ''اور یہ بھی مَیں نہیں کہہ سکتا کہ جن لوگوں کو تمھاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انھیں اللہ نے کوئی بھلائی نہیں دی۔ ان کے نفس کا

حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر مَیں ایسا کہوں تو ظالم ہوں گا‘‘۔

ہمراہی کے انتخاب میں غلطی کا خمیازہ

آج اہلِ حق (صادقین) کا ساتھ دینا اس لیے ضروری ہے کہ یوم الحساب کو غلط ساتھی اور ہمراہی کی معیت کا ہولناک انجام دیکھ کر، بندہ حسرت اور ندامت سے کہہ اُٹھے گا: یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا o (الفرقان ۲۵:۲۸) ’’ہائے میری کم بختی! کاش میں فلاں (شخص) کو دوست نہ بناتا‘‘، بلکہ ہر ظالم تاسّف سے اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا اور کہے گا: یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا o (الفرقان ۲۵:۲۷) ’’اے کاش! مَیں نے رسولؐ کا ساتھ دیا ہوتا‘‘۔

بہترین ساتھی

> وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا o (النساء ۴:۶۹) جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاؑ اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

جس کو یہ معزز رفقا میسر آجائیں پھر وہ ہر اس فرد سے بےزاری کا اعلان کر دیتا ہے جس کا محبوب کوئی اور ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے تو علانیہ پوری قوم سے اظہارِ براءت کر دیا: ’’تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ’’ہم تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا (تمھارے اس طرزِ عمل کا انکار کیا) اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا۔ جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ‘‘۔(الممتحنہ ۶۰:۴)

اس لیے کہ اس کا محبوب محبت کے معاملے میں بڑا غیرت مند ہے وہ اپنے محب کو غیر صادقین سے دوستی کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ ارشاد ہے:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ

ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔ اے نبیؐ، کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، اور تمھارے بیٹے، اور تمھارے بھائی، اور تمھاری بیویاں، اور تمھارے عزیز و اقارب، اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمھارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔(التوبۃ۹:۲۳-۲۴)

اطاعت کا معیار

والدین اور اُولوالارحام کے ساتھ حُسنِ سلوک اور صلۂ رحمی اپنی جگہ، مگر اتباع صرف اس راستے کا، جو اللہ کی طرف لے جاتا ہو، واضح ہدایت دے دی گئی:

اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضُعف پر ضُعف اُٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا، اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے اُس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اس وقت میں تمھیں بتادوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔(لقمان ۳۱:۱۴-۱۵)

غیر صادق والدین کے لیے استغفار کی اجازت بھی نہیں:

نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لیے جو دعاے مغفرت کی تھی وہ تو اس وعدے کی وجہ سے تھی جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا۔مگر جب اس پر یہ

بات کھل گئی کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا، حق یہ ہے کہ ابراہیمؑ بڑا رقیق القلب و خداترس اور بُردبار آدمی تھا۔ (التوبۃ۹:۱۱۴)

یہاں تک کہ غیر صادق چچا ہے تو اعلان کر دیا گیا کہ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ (اللھب۱۱۱:۱) ''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہو گیا''۔

ایمان قبول نہ کرنے والا بیٹا بھی غیر بن جاتا ہے۔ پیغمبرؑ خدا اگر غیر صادق بیٹے کے بارے میں یہ کہہ بیٹھیں: رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ (ھود۱۱:۴۵) ''اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے'' تو واضح الفاظ میں کہہ دیا جاتا ہے: یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (ھود۱۱:۴۶) ''اے نوحؑ، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے''۔ غیر صادقین تو ایک دوسرے کے ہی دوست ہیں۔ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ (الانفال۸:۷۳) ''جو لوگ منکرِ حق ہیں وہ تو ایک دوسرے کے ساتھی ہیں''۔

صادقین کی خصوصیات

صادق ہونے کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ درست اور سچی بات کہہ رہا ہے۔ درست اور سچی بات تو کبھی کبھی جھوٹا آدمی بھی دہرا دیتا ہے۔ انسانی معاشرے میں انھیں صادق نہیں خیال کیا جاتا اور اللہ بھی انھیں جھوٹا کہتا ہے۔ صادق دو بنیادی خصوصیات رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی بات حقیقت کے مطابق ہوتی ہے۔ دوسرے وہ اس کے قلب و ضمیر کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی زبان اس کے دل کی ترجمان ہوتی ہے اور اس مطابقت کی گواہی اس کی عملی زندگی دیتی ہے۔

صادق اللہ سے سچی محبت رکھنے والا فرد ہے۔ وہ اپنی فداکاری، جاں نثاری اور قربانی سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ واقعتاً اللہ کا وفادار ہے۔ ہر حال میں ثابت قدم رہنے والا، اپنے رب کے ہر حکم پر سرِ اطاعت خم کر دینے والا، اس کی رضا کے لیے سب کچھ قربان کر دینے والا۔ اس کے شب و روز، اس کی دل چسپیاں، اس کی تگ و دو، اس کے دعواے محبت کے گواہ ہوتے ہیں۔ ایک جانب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا دعویٰ اور دوسری جانب زندگی، ان کی نافرمانی بلکہ سرکشی میں گزارنا، یہ وہ طرزِ عمل ہے جس پر حضرت موسیٰؑ کو اپنی قوم سے کہنا پڑا: ''تم مجھے کیوں ستاتے ہو؟'' (الصف۶۱:۵)۔ قول و فعل میں تضاد غیر صادق فرد کی نمایاں علامت ہے۔

صادقین اُولوا الالباب ہیں، ہوش مند اور باشعور لوگ۔ یہ ہوش مند لوگ کائنات کے ذرّے ذرّے میں اپنے محبوب رب کی قدرت اور عظمت کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ان کے دل اس کی خشیت سے لرزتے رہتے ہیں۔ یہ خشیت انھیں ہر لمحے اپنے محبوب سے جوڑے رکھتی ہے۔ وہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں اپنے محبوب کو یاد کرتے ہیں۔ خوش حالی، بدحالی، فقر وفاقہ، خوف اور پریشانی___کسی حال میں بھی اپنے رب کے ساتھ تعلق میں کمی نہیں ہونے دیتے۔

ان کے چہرے ان کے رب کے ساتھ تعلق کی گواہی دیتے ہیں۔ جونہی کسی جانب سے ندا سنائی دے، جس میں انھیں ان کے رب کی طرف بلایا جارہا ہو، وہ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ وہ اپنے رب سے محبت رکھنے والے ہمراہیوں (صادقین) کے ساتھ مطمئن رہتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کی معیت کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا جینا مرنا اور حشر انھی کے ساتھ ہو۔

وہ اپنے محبوب کی خاطر ہر خواہش، آرام اور تعلق ترک کردیتے ہیں۔ اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ (نسائی) کوئی محبت اور تعلق ان کے پاؤں کی زنجیر بن کر انھیں اللہ کے راستے سے روک نہیں سکتا۔ اس محبت اور تعلق کے باعث لوگ انھیں ان کے گھروں سے نکالنے کے درپے ہوتے ہیں۔ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا (اٰل عمرٰن ۳:۱۹۵) ''وہ اپنے رب کی خاطر ستائے جاتے ہیں، لڑتے ہیں اور مارے جاتے ہیں''۔

نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے دین کے غلبے کے لیے معرکۂ قتال میں آنا، نیکی کی بلند ترین چوٹی قرار دی گئی ہے۔ یہ صادقین بڑی ثابت قدمی سے باطل اور اہلِ باطل کا مقابلہ کرتے ہیں، اور حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔ ان کی زندگی عدل اور احسان پر استوار ہوتی ہے۔ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں اپنوں کا ساتھ بھی نہیں دیتے۔ یہ اپنے پسندیدہ مال ہر اس جگہ خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کرنا ان کے محبوب رب کو پسند ہو، جب کہ اسراف وتبذیر سے بچتے ہیں۔

صادقین کے اہم کام

ان کے قول وفعل، ان کے محبوب کے کلام قرآن ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ان کی ذاتی

اور اجتماعی زندگی اپنے رب کی رضا کے تابع ہوتی ہے۔ ان کی تجارتیں، عدالتیں، حکومتیں، رسوم و رواج، تعلقات، ان کی معاشرت، ان کے معاملات، سب قرآن پر مبنی ہوتے ہیں۔ اپنے اوقات، اپنی قوتوں اور مال کی نگرانی کرتے ہیں۔ لھو الحدیث کے خریدار نہیں بنتے۔ جدال اور بے مقصد بحث سے اجتناب کرتے ہیں۔ وہ زُور (جھوٹ، غلط کام) کے گواہ تک نہیں بنتے (قریب بھی نہیں جاتے)۔ وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ ہر حال میں صابر وشاکر اور اپنے رب کے فیصلوں پر راضی رہنے والے لوگ ہیں۔ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ ہر حال میں انجام دیتے ہیں اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھتے۔ صلۂ رحمی کرنے والے، لوگوں کے نفع کے حریص، متواضع، نرم خُو، مہربان اور فیاض لوگ ہیں۔ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینے والے۔ ان کی زبانوں پر یہ دعا جاری رہتی ہے:

> رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۰) میرے رب! مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

گویا 'صدق' وہ خصوصیت ہے جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے قوت اور مدد نصیب ہوتی ہے۔ حق غالب آجاتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔ بڑی یکسوئی اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے رب کی اطاعت کی روش پر کاربند رہنے کے باوجود یوم الحساب کی پیشی اور پکڑ سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اپنے اللہ سے اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ (اٰل عمرٰن ۳:۱۷)

صادقین کی ہمراہی کے تقاضے

صادق کی تمام تر دوستی اور محبت صادقین کے ساتھ ہوتی ہے۔ ان کی دعا ہی یہ ہے:

> اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ ، اے اللہ! آپ سے آپ کی محبت کا سوال ہے اور ان کی محبت کا بھی جو آپ سے محبت رکھتے ہیں۔

اس محبت کو مضبوط تر کرنے کے لیے انھیں حکم دیا گیا کہ وہ ہر حال میں ان کے ساتھ

خیرخواہی کریں۔ وہ تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ تعلقات درست رکھنے کی فکر کرتے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ رکھتے ہیں، ان کی غلطیوں کو نظرانداز کرتے ہیں لیکن کسی حال میں امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے فریضے کو بھولتے نہیں--- تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا طرزِعمل اُن کے تعلقات کو مضبوط تر کر دیتا ہے۔

'اکرامِ مسلم' کا اظہار ان کی ہر ادا سے ہوتا ہے۔ وہ ان کے لیے سراسر سلامتی ہیں۔ سلامتیوں کو فروغ دیتے ہیں۔ انھیں اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ ان کی ضروریات کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اپنے مال اور قوتوں سے اُن کی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی، وہ جانتے ہیں 'تزکیہ' کی اعلیٰ منزل اسی رابطے سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے معاملات میں ان کے مشورے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ انھیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اور حقوق کی ادایگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔

وہ تحائف کے تبادلے کے ذریعے محبتوں کو مضبوط بناتے ہیں، ایک دوسرے کی دعوت کو قبول کرتے ہیں، دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے ہیں۔ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے ذریعے جنت کے میوے چنتے ہیں۔ جنازوں کے ہمراہ جاتے ہیں۔ ہر دکھ میں وہ اپنے بھائیوں کے لیے سہارا بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے وقار میں اضافے کے لیے کوشش، ان کے طرزِعمل کی علامت بن جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں ایک دوسرے کے لیے دل جوئی اور دلداری کا سامان کرتے ہیں۔ نرم خُو، شیریں دہن، سراپا شفقت، اللہ اپنے محبوب کی خاطر باہم شیروشکر۔ یہ اللہ کے دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی صفوں میں عدل و انصاف کے ساتھ اصلاح کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور کفار کے لیے سخت ہوتے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ اخلاص اور خیرخواہی کا رویہ ہر لحمہ آشکار ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف عملاً ان کی بھلائی کے حریص ہوتے ہیں بلکہ اپنی دعاؤں میں انھیں شریک رکھتے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحشر ۵۹:۱۰)

اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے، جو ہم سے پہلے

ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی بُغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

وہ جنھیں انھوں نے دیکھا تک نہیں وہ ان کی غائبانہ محبت میں بھی گرفتار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے 'ایمان' کے ساتھی ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کے معاملے میں خودغرضی کی روش اختیار نہیں کرتے۔ انھیں دُکھ اور ایذا نہیں دیتے، ان سے حسد نہیں کرتے، ان پر لعن طعن نہیں کرتے، ان کا مذاق نہیں اُڑاتے، ان کی تذلیل و تحقیر نہیں کرتے۔

خلوص اور محبت بھرے دلوں میں بدگمانی، کینہ، بُغض کا گزر تک نہیں ہوتا بلکہ ان کا طرزِ عمل عدل، احسان اور صلۂ رحمی پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ بے حیائی، ظلم اور زیادتی کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ چونکہ ان کے ولاأ (محبت، نصرت، قرب، مدد، دوستی) اور براأ (بُغض، بے زاری، دُوری) کا معیار ان کے محبوب اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق پر ہے، اس لیے وہ نہ صرف صادقین کے ساتھ ولایت و دوستی کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ ایسے لوگوں سے صاف صاف لاتعلقی اور براءت کا اظہار کرتے ہیں جو: ● ان کے محبوب اللہ کو اپنا محبوب نہ سمجھتے ہوں۔ ● جو ان کے محبوب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال آبا و اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ رکھتے ہوں۔ ● جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حکم اور قانون کے مقابلے میں کسی اور کی رہنمائی، حکم یا قانون کو بہتر خیال کریں۔ ● جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی کسی بات کو غیراہم یا غلط خیال کریں۔ ● جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے دین کی کسی بات کا مذاق اُڑائیں یا ان کا انداز تمسخرانہ ہو۔ ● جو اللہ کے نازل کردہ دین سے محبت رکھنے والوں کے مقابلے میں مشرکین کی مدد کریں، یا کفار و منافقین کے لیے محبت و احترام کے جذبات رکھتے ہوں، ان سے مشورے کرتے ہوں۔ ● ان کے معاشروں کو استحسان کی نظر سے دیکھتا ہو، ان کی تعریف کرتا ہو۔ ● ان کے اعتقادات، افکار، شعائر، تہذیبی و ثقافتی روایات، عادات و اطوار، بودوباش، لباس، تقریبات، تہواروں میں شرکت کرتا ہو یا تشبہ اختیار کرتا ہو۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ ● جو بلادِ کفر کی چکاچوند سے متاثر ہوکر ان میں سکونت کو پسند کرتا ہو، اس کے لیے تگ و دو کرتا ہو۔ حالاں کہ ایسا کرنے کے لیے اسے کوئی مجبوری نہیں، نہ کوئی دینی مصلحت ہی وابستہ ہے۔ ● جو ایمان

کے دعویٰ کے باوجود اللہ کے دین کے معاملے میں لاپروائی کا رویہ اختیار کرے۔ نہ دین سیکھتا ہے، نہ اس پر عمل کرتا ہے، اس لیے کہ محبوب رب کا ارشاد ہے:

> وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا (الکہف ۱۸:۵۷) اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ اُن سے منہ پھیرے۔

ایسے لوگ اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ اللہ والے اس وقت تک ان سے محبت کا تعلق نہیں رکھ سکتے جب تک وہ اپنے رب کی طرف پلٹ نہ آئیں۔ اس لیے کہ ان کے محبوب اللہ ہی کی دی ہوئی ہدایت ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف ۱۸:۲۸) ”کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے، اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے، اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے“۔

صادقین اور غیر صادقین کا موازنہ

صادق کون ہے؟ اور غیر صادق کون؟ ـــــ ان کا بڑا عمدہ موازنہ درج ذیل حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا:

> ہلاک ہوجائیں عبد الدینار (دینار کا بندہ) اور عبد الدرھم (درہم کا بندہ) اور عبد القطیفہ (ریشمی چادر کا بندہ) اور عبد الخمیصہ (لباس کی شان دکھانے والا)۔ اگر اسے عطا کیا جائے تو خوش ہوتا ہے، اور نہ دیا جائے تو ناخوش۔ ہلاک ہو اور سرنگوں ہو۔ اس کو کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔
>
> خوش خبری ہے اس بندے کے لیے جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور پاؤں غبار آلود ہوں۔ اگر وہ امام کی جانب سے پہرہ پر مقرر ہو تو پہرہ ہی دے، اور اگر فوج کے پیچھے حفاظت کے لیے مقرر کیا جائے تو لشکر کے پیچھے لگا رہے۔ اگر اندر آنے کی اجازت طلب کرے تو اجازت

نہ ملے۔ اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے۔(بخاری، کتاب الجہاد)

صادق تو وہ ہے جسے عہدہ و مرتبہ کی خواہش نہیں، شان و شوکت مطلوب نہیں۔ جو کسی اجر اور بدلے کی طمع نہیں رکھتا، اپنے رب کی رضا کے لیے دن رات اپنی صلاحیتیں اور اپنے اوقات لگائے چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی صادقین کے لیے ان کا رب انعامات کا اعلان کرتا ہے۔

صادقین کے لیے انعامات

دنیا میں پیش آنے والے امتحانات ان کے درجات بڑھانے کا سبب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ احزاب کے امتحان سے سرخ رو ہونے کے بعد ان کے محبوب اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط (الاحزاب ۳۳:۲۴) (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے، اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے۔

دنیا میں انعامات

● **نجات و رحمت:** ظلم اور ظالموں سے نجات اس دنیا میں ملنے والا سب سے بڑا انعام ہے۔ قرآن کی گواہی ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو یہ انعام نصیب ہوا۔

● **خلافت و جانشینی:** نجات کے بعد انھیں زمین میں خلافت اور جانشینی عطا فرمائی جاتی ہے (یونس ۱۰:۷۲)۔ انھیں اس کے لیے ضروری اوصاف 'حکم' اور 'علم' نصیب کیے جاتے ہیں۔ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ (القصص ۲۸:۱۴) ''ہم نے اسے 'حکم' اور 'علم' عطا کیا۔ ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں''۔

● **امامت:** صادقین مختلف امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو پھر ان کے حق میں امامت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ (القصص ۲۸:۵) ''اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انھیں پیشوا بنا دیں اور انھی کو وارث بنائیں اور زمین

میں ان کو اقتدار بخشیں‘‘۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آنے والی نسلوں کا امام بنا دیا گیا: ’’یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اُتر گیا، تو اس نے کہا: میں تمھیں سب لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں‘‘۔(البقرہ ۲:۱۲۴)

● **لسان صِدق، سچی نام وَری**: یہ ایسے امام، ایسے پیشوا اور ایسے حکمران ہوتے ہیں جنھیں سچی نام وَری نصیب ہوتی ہے۔ انھیں بہترین ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے لیے مثال بن جاتے ہیں۔ بعد میں آنے والے ان کی تقلید پر، ان کے نقشِ قدم پر چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ’’اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی نام وَری عطا کی‘‘ (مریم ۱۹:۵۰)۔ یہ وہ انعام ہے جس کے لیے حضرت ابراہیمؑ دعا گو رہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ o وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ o (الشعراء ۲۶:۸۳-۸۴) ’’میرے رب! مجھے حکم عطا کر، مجھے صالحین کے ساتھ ملا، اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی نام وَری عطا کر‘‘۔ بلاشبہہ ’امامت‘ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد یہ بہترین انعام ہیں۔

اُخروی انعام

یہ کامیاب و کامران صادقین اپنے رب کے ہاں حاضر ہوتے ہیں تو بہترین انعام اور اجر ان کے منتظر ہوتے ہیں۔ اعلان ہوتا ہے: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (المائدہ ۵:۱۱۹) ’’اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے‘‘۔ عظیم الشان کامیابی کا یہ مقام ہی سچی عزت کی جگہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ o فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ o (القمر ۵۴:۵۴-۵۵) ’’متقین یقینا باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب‘‘۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عظیم المرتبت، مقتدر بادشاہ کے قُرب سے بڑھ کر عزت کا مقام کون سا ہوگا؟ چنانچہ یہ صادقین حصولِ انعام پر مقتدر بادشاہ کے ہاں اپنی قدر و منزلت دیکھ کر بجا طور پر اس کی حمد و ثنا کریں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ o (الزمر ۳۹:۷۴) وہ کہیں گے شکر ہے اس

اللہ کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔